السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ

قربانی حجاج کرام سے تشبیہ ہے۔؟

الجواب بعون الوہاب بشرط صحة السؤال

وعلیکم السلام ورحمة اللہ وبرکاتہ!

الحمد للہ، والصلاة والسلام علیٰ رسول اللہ، أما بعد!

یہ تو تھی رسول اللہ ﷺ سے قربانی کے قولی و عملی ثبوت کی بحث اور یہ ایک مومن کے لیے سمعنا واطعنا کہنے کو بالکل کافی ہے۔ لیکن اس موضوع پر گفتگو صرف ایک خشک ثبوت اور ضابطہ کی کاروائی پر ختم نہیں ہوجاتی ہے بلکہ اسلام میں قربانی کے اجرا کا جو پس منظر صدر میں بیان کیا گیا ہے اسے اگر نگاہ میں رکھیے تو یہ بات بڑی صحیح اور وجدان وفطرت کا عین تقاضا نظر آتی ہے کہ قربانی کا یہ حکم حجاج کی تعداد تک ہی محدود نہیں ہونا چاہیے تھا۔ بلکہ پوری امت مسلمہ جس کی اکثریت حج کی استطاعت نہیں پاسکتی، اس سبھی کو اسلام کامل کا رمز رکھنے والے اس عمل سے بہرہ اندوز ہونے کا موقع ملنا چاہیے تھا۔ بالفاظ دیگر اگر ابراہیمی انداز کی قربانی ہی وہ عمل ہے جس سے اسلام کی اصل کیفیت ظاہر ہوتی ہے اور اسی عمل کو اپنے کرنے کی حد تک کرگزرنے پر ابراہیمی کیش وملت کو اسلام کا نام ملا۔ تو اس کیش وملت کے پیرووں میں اس کی حقیقی روح سدا برقرار رکھنے کے لیے اگر یہ مناسب اور تقاضائے عقل وفطرت تھا کہ اس جذبہ ابراہیمی کا کوئی رمز ملت ابراہیمی میں مستقل طور سے ودیعت کردیا جائے اور کوئی ایسا عمل جو اس جذبے اور شیوہ تسلیم ورضا کا غماز ہو، مشروع کر کے مستقل جزو ملت بنا دیا جائے تو کوئی وجہ نہ تھی کہ اس کے جذبہ فدائیت (تشریع کو حجاج ہی تک محدود رکھا جاتا۔ جن کی تعداد اور امت مسلمہ کے پھیلاؤ کو دیکھتے ہوئے بڑی تھوڑی تھی۔ دل کہتا ہے کہ بالکل یہی ہونا چاہیے تھا کہ اگر حجاج کو دس باتوں سے اپنے امام اپنے پشوا (ابراہیم کے اظہار کی سعادت ملے وہ لبیک کہتے ہوئے معبود کے در اقدس پر پہنچیں، اس کے گھر کا طواف پر طواف کر کے اپنا پورا وجود نثار کردینے کا اشارہ کریں، حجر اسود کو چوم کر آنکھوں سے لگا لگا کر چشم تصور میں خود اس کی دست بوسی کریں اور اشک ہائے عبدیت کی نذر اتار کر تسلیم وفا کا بھرپور اظہار کریں، کبھی ملتزم سے چمٹ کر روئیں اور گڑگڑائیں اور کبھی صفا ومروہ کے درمیان دوڑیں کہ اے رب ابراہیم 6! تو کہاں ہے؟ کہ اب یہ سر دبال دوش اور دم تیرے قدموں پر نکلنے کے لیے بے تاب ہے۔ کبھی عرفات کے میدان میں حسرتیں نکالنے کی کوشش کریں، اور پھر بھی تسکین تمنا نہ ہو تو منی جا پہنچیں اور اپنے امام پشوا کی اقتدا میں کسی دوسری ہی جان کا نذرانہ پش کر کے ایک گونہ تسکین کا سامان مہیا کرلیں۔ بے شک یہ اتنا بہت تو حجاج ہی کا حصہ ہے۔ ہم نہیں پہنچ سکے تو لبیک لبیک کیا کہیں؟ خانہ کعبہ ایک ہی ہے تو اس دور رہ کر طواف کا ہے کا کریں ملتزم ہمیں نصیب نہیں حجر اسود سے ہم دور کہ دست بوسی کا رمز پیدا کرسکیں، صفا ومروہ کے دامن تک ہمیں رسائی نہیں کہ جوش جنون دکھا سکیں لیکن دل کہتا ہے کہ اگر حجاج کو یہ دس باتیں نصیب ہیں تو وہ ہم بے نصیبوں کے حصہ میں بھی آجانی چاہئیں، ہم ہزار کوتاہ دست وشکستہ پا سہی کہ اپنے امام وپشوا کی اذان حج پر لبیک نہ کہہ سکے مگر امت مسلمہ میں تو ہم بھی ہیں ہمارے اندر بھی اسلام کی حقیقی روح برقرار رکھنے کا کچھ نہ کچھ سامان ضروری ہے۔ دل کی یہی آواز اور امت مسلمہ کی فطرت کی یہی خاموش پکار تھی۔ جس کے جواب میں خدا نے اپنے رسول کے ذریعے اعمال حج کا ایک حصہ اور حجاج سے ایک گونہ تشبہ کا سامان پوری امت کو بقدر استطاعت نصیب فرما دیا۔

حج والی قربانی کو حج سے باہر بھی جاری کرانے کا یہی فلسفہ ہے جسے عقل بھی تسلیم کرتی ہے اور فطرت بھی اس کی معقولیت پر شہادت دیتی ہے۔ ہم میں سے ارباب استطاعت کو موقع دیا گیا (فقہ کی اصطلاح میں وجود کے لیے یا سنت) کہ وہ اپنے گھروں ہی پر رہتے ہوئے ابراہیم خلیل اللہ کی سنت قربانی کو ہر سال تازہ کر کے اس مرموز جذبہ ابراہیمی کی زندگی اور تازگی کا سامان کریں جو اسلام کی اصل اور اس کی روح وجان ہے۔ باقی کو بھی محروم نہیں رکھا گیا کہ عرفات کا والہانہ اجتماع نماز عید کی متبادل شکل میں عطا کردیا گیا اور ایسا نہ ہو کہ جو نہ قربانی کرسکے نہ عید کی نماز میں پہنچ سکیں وہ ملت اسلامی کی تاسیس کے ان تاریخی ایام میں جو روح اسلام کی بالیدگی کے لیے قدرتی طور پر نہایت سازگار ہیں۔ اس روح کی آب یاری کے کسی سامان سے بالکل ہی محروم رہ جائے، اس لیے تیسری آسان ترین چیز یہ عطا کی گئی کہ 9 ذی الحجہ سے 13 ذی الحجہ تک ہر فرض نماز کے بعد اللہ کی تکبیر وتحمید کا غلغلہ بلند کرو۔ اللّٰہُ أَکْبَرُ اللّٰہُ أَکْبَرُ لَا إِلٰہَ إِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ أَکْبَرُ اللّٰہُ أَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ

پس اللہ کی رحمت اور سلام اس نبی پر جس کے صدقہ میں پوری امت مسلمہ کو اپنے امام وپشوا کی سنت نصیب ہوئی۔

بہ مصطفیٰ ﷺ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست

اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی ست

ھذا ما عندي واللہ أعلم بالصواب

فتاویٰ محمدیہ

ج1ص605